Journal of World Religions and Interfaith Harmony (JWRIH)
Volume 5, Issue 2 (2026) | ISSN (Print): 2958-9932 (Online): 2958-9940
Publisher: Department of World Religions and Interfaith Harmony, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

OPEN ACCESS | ARTICLE
https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih
https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/issue/view/333

A Comparative Analysis of the Study of Christianity in Bayān al-Qur'ān and Ṣirāṭ al-Jinān

بیان القرآن اور صراط الجنان میں مطالعہ مسیحیت کا تقابلی مطالعہ

Rabia Ashraf https://orcid.org/0009-0001-4367-0384
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, Green International University, Lahore.
drche313@gmail.com
Ahmad https://orcid.org/0009-0005-9133-5248
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Green International University, Lahore.
Correspondence: dr.ahmad@giu.edu.pk

ARTICLE HISTORY: Received: 02 August 2026 | Accepted: 20 August 2026 | Published: 06 September 2026
HOW TO CITE: Ashraf, Rabia and Ahmad. "A Comparative Analysis of the Study of Christianity in Bayān al-Qur'ān and Ṣirāṭ al-Jinān." *Journal of World Religions and Interfaith Harmony* 5, no. 2 (2026): 21–35. https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/article/view/4835.
Open Access: This is an open access article distributed under the terms of the Creative Commons Attribution 4.0 International License (CC BY 4.0), which permits unrestricted use, distribution, adaptation, and reproduction in any medium, provided the original author and source are properly credited.
INDEXED / HARVESTED IN: HEC Pakistan • Google Scholar • Internet Archive • Academia.edu • DefinePK • BASE • Wiki Data • OpenAlex

ABSTRACT

This study presents a comparative analysis of the discourse on Christianity within two prominent contemporary Urdu Quranic exegeses: *Bayān al-Qur'ān* by Dr. Israr Ahmed and *Ṣirāṭ al-Jinān* by Mufti Muhammad Qasim Qadri. Focusing primarily on the thematic contents of *Sūrah Āl ʿImrān* and Sūrah Maryam, the paper examines how both exegetes approach Christian doctrines, interfaith engagement, and Muslim–non-Muslim relations. The findings indicate that while both scholars share the overarching objective of defending Islamic monotheism (*tawḥīd*), refuting theological concepts such as the Trinity and divine sonship, and affirming the miraculous birth of Jesus (peace be upon him), their hermeneutical methodologies diverge markedly. Dr. Israr Ahmed adopts an analytical, historical, and contemporary framework, emphasizing socio-political developments, scientific reflections, and the historical contexts of revelation (*asbāb al-nuzūl*). In contrast, Mufti Muhammad Qasim Qadri employs a traditional theological, juridical (*fiqhī*), and reformative approach, focusing on moral pedagogy, intra-community spiritual reform, and the ethical dimensions of interfaith conduct. The study concludes that, despite their distinct methodological approaches, both exegeses serve as vital scholarly resources for understanding Christian theology from a Quranic perspective and for addressing contemporary ideological challenges to Islamic belief.

Keywords: *Bayān al-Qur'ān, Ṣirāṭ al-Jinān, Comparative Exegesis, Interfaith Dialogue, Trinity, Christianity*

تعارف

قرآنِ حکیم کی ترویج کے لیے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی فکری کاوش بیان القرآن اور مفتی محمد قاسم قادریؒ کی علمی تصنیف صراط الجنان میں مطالعہ مسیحیت اور

مباحثِ اہل کتاب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے عیسائیت کے بائبلاتی و کلامی افکار، بن باپ کے ولادتِ مسیح کی معجزانہ حقیقت اور صہیونیت وریاستِ اسرائیل کے قیام جیسے عالمی سیاسی تغیرات کا قرآنی و فلسفیانہ تناظر میں گہرا محاکمہ کیا ہے، جبکہ دوسری طرف مفتی محمد قاسم قادری نے روایتی کلامی اسلوب، شرعی وفقہی احکام اور عام فہم ردِ قادیانیت وردِ بدعقیدگی کی روشنی میں عیسائیت کی فکری نفی کی ہے۔ جامعاتی سطح پر اگرچہ ڈاکٹر اسرار احمد کی تاریخی وسیاسی بصیرت اور مفتی قاسم قادری کی دعوتی وکلامی خدمات پر انفرادی کام تو ملتا ہے، نیز سورۃ آل عمران و سورۃ مریم میں بیان کردہ احوالِ بنی اسرائیل پر بھی تحقیقات موجود ہیں، لیکن ان دونوں معاصر مفسرین کی معینہ تفاسیر کا مطالعہ مسیحیت کے خصوصی تناظر میں کوئی جامع تقابلی نچوڑ اب تک سامنے نہیں آسکا، جو اس تحقیق کی بنیادی ضرورت کو واضح کرتا ہے۔

اس تحقیق کو مکمل کرنے کے لیے توصیفی، تحلیلی اور تقابلی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ تحقیق میں بنیادی مآخذ کے طور پر ڈاکٹر اسرار احمد کی بیان القرآن اور مفتی محمد قاسم قادری کی صراط الجنان، خصوصاً سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم کی متعلقہ آیات سے مواد اخذ کر کے اس کا علمی و تحلیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ مواد کو ترتیب دینے کے بعد دونوں مفسرین کے منہجِ استدلال، اسلوبِ بیان، اور ردِ مسیحیت کے فکری و کلامی زاویوں کا باہم تقابل کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ عصرِ حاضر میں دونوں مفسرین نے مسیحی عقائد کی اصلاح اور مسلم غیر مسلم تعلقات کے باب میں کیا علمی و دعوتی رہنمائی فراہم کی ہے۔

اہل کتاب کو دعوت

تین عظیم مغربی مؤحدانہ راویات میں سے ایک اہم مسیحیت ہے۔ ان میں ایک برتر اعلیٰ ذات کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ ذات خدا ہے، جو انسانی معاملات میں دلچسپی رکھتی ہے، اور دخل اندازی کرتی ہے۔ تاہم، یہودیت اور اسلام کی نسبت اس ذات اور اس کی فطرت کی تعریف کرنے میں مسیحیت مختلف ہو جاتی ہے۔ دیگر دو روایات مثالی تشخص بتاتے ہیں کہ خدا کی تصویر کشی ممکن نہیں، اور نہ اسے انسانی اصطلاحات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔[1]

بین الادیان مکالمے میں سورۃ آل عمران کی ایک آیت تمام انسانیت کو رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سامی ادیان کے ماننے والوں کو متفقہ باتوں پر مشترک ہونے کی دعوت دی ہے۔ اس دعوت کی بنیاد پر سامی ادیان کے اہل علم کو آج بھی متفق ہونے کی ضرورت ہے۔ ادیان عالم کو اس دور میں مغربی فکر وتہذیب کی طرف سے بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں سر فہرست سیکولرازم اور الحاد جیسے لادینی کے نظریات ہیں۔ یہ پوری دنیا میں فتنہ کی طرح پھیل رہے ہیں۔ ان کا سدباب کرنا ضروری ہے، کیونکہ عقیدے کا یکسر انکار ایک فیشن بنتا چلا جارہا ہے، اور یہ افکار آج تمام ادیان کی مکمل نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ يَاهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾[2]

اے نبی ﷺ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان بالکل برابر ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ یہاں "اہلِ کتاب" کے مشترکہ خطاب میں یہود اور نصاریٰ دونوں کو یکجا کر لیا گیا ہے، جبکہ سورۃ البقرہ کے خطاب "یابنی اسرائیل" میں زیادہ تر گفتگو یہود سے تھی۔ یہاں اس سے پہلے تک چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ چل رہا تھا، اس لیے بظاہر صرف نصرانی مخاطب تھے، مگر اب دونوں گروہوں کو بیک وقت دعوت دی جارہی ہے کہ آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور

[1] Cheris Kramarae and Dale Spender, eds., *Routledge International Encyclopedia of Women* (New York: Routledge, 2000), 1:166.

[2] القرآن 64:3۔

Al-Qur'ān 3:64.

پر مشترک اور متفق علیہ ہے۔[3] مسیحیت میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کو بہت اہمیت حاصل ہے، جیسا کہ دعا کی نسبت جو فری پارنڈر رقم طراز ہیں:

> Prayers of dedication are said in the morning, and of committal of night, with invocation of virgin,saints and guardian angel.[4]

> صبح کے وقت سپردگی اور رات کو خود کو خدا کے حوالے کرنے کی دعائیں مانگی جاتی ہیں جن میں کنواری مریم، اولیاء اور محافظ فرشتوں سے التجا کی جاتی ہے۔

عصر حاضر میں ایک فکر صلحِ کُل بھی ہے۔ ادیان عالم کے مکالمہ میں دینِ اکبری کی مانند یہ سوچ پیش کی جاتی ہے۔ لادینیت اور الحاد تمام ادیان کی نفی کرتے ہیں۔ وہ تمام ادیان کو ایک ہی پلڑے میں رکھتے ہیں۔ ادیانِ عالم اللہ جل شانہ کی ذات کو تسلیم کرتے ہیں۔ ادیان عالم کے باہمی تنازعات میں مسلمانوں کو اتنا مسئلہ درپیش نہیں رہا، جتنا مغربی مرعوبیت میں یہ افکار مسئلہ بنا رہے ہیں۔

اہل کتاب کو دعوت دینے کی آیت سے رہنمائی میں مفتی محمد قاسم کی تفسیر میں زیادہ واضح بات ملتی ہے۔ مفتی محمد قاسم آیت کی مزید تشریح کرتے ہیں کہ اہلِ کتاب کو تین بنیادی باتوں کی طرف دعوت دی گئی۔ پہلی یہ کہ ہم اللہ عزوجل کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور یہ وہ بنیادی اصول ہے جس پر قرآن، تورات اور انجیل سب متفق ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ دوسری یہ کہ ہم کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، نہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نہ ہی کسی اور کو؛ اور یہ بات یقیناً پہلی بات کو ماننے کے ہی مترادف ہے۔ تیسری بات یہ کہ ہم میں سے کوئی کسی انسان کو اپنا رب نہ بنائے، جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے علما اور پادریوں کو بنا رکھا تھا کہ وہ ان کے حلال و حرام کیے ہوئے احکام کو اللہ عزوجل کے حکم کے برابر درجہ دیتے تھے۔[5]

مسیحیوں کی مقدس کتاب کا نام بائبل ہے جو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اس کے پہلے حصے کو عہد نامہ قدیم یا عہد نامہ عتیق کہا جاتا ہے، جبکہ اس کا دوسرا حصہ عہد نامہ جدید کے نام سے مشہور ہے۔ عہد نامہ قدیم یہودیوں اور مسیحیوں دونوں کی الہامی مقدس کتاب ہے لیکن عہد نامہ جدید خالصتاً مسیحیوں کی مقدس کتاب ہے۔ ولیم میکڈونلڈ کی تحریر ہے: "دو عہد نامے خدا کے الہام سے تحریر ہوئے۔ اس لیے مسیحیوں کے لیے دونوں ہی یکساں طور پر فائدہ مند ہیں۔ لیکن مسیح پر ایمان رکھنے والا شخص فطری طور پر بائبل مقدس کے اس حصے کی طرف زیادہ رجوع کرے گا۔ جو خاص طور پر اس کے خداوند اور خداوند کی کلیسا کا بیان کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے۔ کہ اس کے شاگردوں کو کس طرح کی زندگی بسر کرنی چاہیے۔"[6]

مشترکہ دینی بنیاد اور دعوت کے تناظر میں، حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سابقہ انبیاءِ کرام کی سنت کے مطابق شریعتِ موسوی کی پاسداری پر زور دیا اور اپنے حوارین و پیروکاروں کو احکامِ عشرہ کی پابندی کی بار بار تلقین فرمائی، جیسا کہ انجیلِ لوقا میں ان احکام کا اعادہ کیا گیا ہے۔[7] جب ایک دفعہ مشترکہ باتوں کی نشاندہی ہو جائے، تو اختلافی مسائل کا حل بھی نکالنا ممکن ہوتا ہے۔ مفتی محمد قاسم کی تفسیر میں اس موقعہ پر بہتر انداز سے بات کی گئی ہے، جس میں مسئلہ کی

---

[3] اسرار احمد، **بیان القرآن** (لاہور: شعبہ مطبوعات، قرآن اکیڈمی، 2010ء)، 2:40۔

Isrār Aḥmad, *Bayān al-Qur'ān* (Lahore: Shu'bah-e-Maṭbū'āt, Qur'ān Academy, 2010), 2:40.

[4] Geoffrey Parrinder, *Worship in the World's Religions* (London: Faber & Faber, 1961), 229.

[5] محمد قاسم القادری، **صراط الجنان فی تفسیر القرآن** (کراچی: مکتبۃ المدینہ، 2013ء)، 2:34۔

Muḥammad Qāsim al-Qādrī, *Ṣirāṭ al-Jinān fī Tafsīr al-Qur'ān* (Karachi: Maktabat al-Madīnah, 2013), 2:34.

[6] ولیم میکڈونلڈ، **تفسیر الکتاب** (لاہور: مسیحی اشاعت خانہ، 2000ء)، 1:7۔

William MacDonald, *Tafsīr-ul-Kitāb* (Lahore: Masīḥī Ishā'at Khānah, 2000), 1:7.

[7] لوقا 18:18-20۔

Luke 18:18–20

نشاندہی کی گئی ہے، اور اس سے حل کی طرف بڑھنے میں رہنمائی ملتی ہے۔ مفتی محمد قاسم لکھتے ہیں کہ کسی بھی علمی یا فکری اختلاف کو ختم کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے مشترکہ اور متفقہ امور کو واضح کرکے طے کرلیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اختلافی مسائل بالکل الگ ہو جاتے ہیں، ان کا دائرہ محدود ہو جاتا ہے اور گفتگو صرف انہی تک مرکوز رہتی ہے۔ ورنہ عام طور پر یہ الجھن پیش آتی ہے کہ بحث کے دوران کبھی اختلافی موضوع چھوڑ جاتا ہے تو کبھی بلاوجہ متفقہ باتوں پر مناظرہ شروع ہو جاتا ہے۔[8]

کفار سے مسلمانوں کے تعلقات

دین اسلام سچا دین ہے۔ دین اسلام کے علاوہ کسی بھی دین پر چلنا اللہ تعالی کو پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے مسلمانوں اور کافروں کے مابین فرق کیا ہے، اسی لیے شریعت میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان ایک ملت ہے اور غیر مسلم دوسری قوم اور ملت۔ شریعت میں مسلمانوں کے دوسروں سے تعلقات میں رہنمائی دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ ﴾[9]

اے اہل ایمان! اپنے سوا کسی کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔

ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں کہ صرف اسی شخص کو اپنا محرمِ راز اور بھیدی بناؤ جس کے صاحبِ ایمان اور مخلص مسلمان ہونے پر پورا اطمینان ہو۔ چونکہ یہودی ایک طویل عرصے سے مدینہ میں مقیم تھے، اس لیے انصار کے قبیلوں اوس و خزرج سے ان کے پرانے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس دیرینہ ربط کی بنا پر بعض اوقات سادہ لوح مسلمان نادانی میں حساس اور راز کی باتیں بھی ان کے سامنے ظاہر کر دیتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو اس نقصان دہ روش سے سختی سے روک دیا گیا۔[10] اس مسئلے میں ڈاکٹر اسرار احمد کی بیان کی گئی تفسیر کو فوقیت حاصل ہے، کیونکہ انہوں نے اس آیت کے شان نزول میں مدینہ کے تناظر میں بات کی گئی ہے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جن حالات میں یہ آیت نازل فرمائی گئی۔ اس کے سمجھانے میں ڈاکٹر اسرار احمد کی تحقیق بہتر ہے۔ مفتی محمد قاسم اس ضمن میں عام حالات کے مطابق بات کرتے ہیں۔

شرعی رہنمائی دیتے ہوئے مفتی محمد قاسم مسئلہ بتاتے ہیں کہ غیر مسلموں سے دلی محبت، گہری دوستی اور انہیں اپنا راز دار بنانا شرعاً ممنوع ہے، کیونکہ تاریخ اور تجربات گواہ ہیں کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے۔ اس سے یہ اصول بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلم حکمرانوں کو کافروں یا مرتدوں کو ایسے کلیدی اور حساس عہدوں پر فائز نہیں کرنا چاہیے جہاں سے انہیں ملک و ملت کے خلاف غداری کا موقع مل سکے۔ یہ لوگ ہمیشہ مسلمانوں کی بدخواہی چاہتے ہیں اور ان کی دلی تمنا یہی ہوتی ہے کہ اہل ایمان مشکلات میں گھرے رہیں۔ ان کے دلوں کا یہ بغض وقتاً فوقتاً ان کی گفتگو اور رویوں سے عیاں ہوتا رہتا ہے۔[11] دونوں مفسرین نے آیت کی روشنی میں غیر مسلموں کے رویے کی بات کی ہے، اور آیت کی روشنی میں بتایا ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں کو زبانی طور پر ایذا دیتے ہیں۔ اللہ تعالی نے غیر مسلموں اور خاص طور پر یہودیوں کے دلوں میں جو بغض تھا اس کو واضح فرمایا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد تحریر کرتے ہیں کہ ان کا کلام ایسا زہر آلود ہوتا ہے کہ اس سے اسلام

---

8 صراط الجنان، 2:64۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 2:64.

9 القرآن 3:118۔

Al-Quran, 3:118.

10 بیان القرآن، 2:70۔

Bayān al-Qur'ān, 2:70.

11 صراط الجنان، 2:61۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 2:61.

اور مسلمانوں کی دشمنی صاف ٹپکتی ہے اور وہ اپنی زبانوں سے مسلسل آگ برساتے رہتے ہیں۔ تاہم، جو کچھ ان کی زبانوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ تو پھر بھی کم ہے؛ان کے دلوں کے اندر دشمنی اور حسد کی جو آگ بھڑک رہی ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ شدید ہے۔[12]

مفتی محمد قاسم نے قران کریم کی حقانیت بیان کرتے ہوئے عصر حاضر کے حالات کے مطابق بھی بات کی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں کہ جب ان کی زبانی دشمنی کا یہ حال ہے، تو اندازہ کیجیے کہ مسلمانوں کے خلاف ان کے دلوں میں بغض وعداوت کا کیا عالم ہو گا؟ یقیناً ان کے دلوں میں چھپی دشمنی، ان کی ظاہری مخالفت سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو! ان سے دلی دوستی ہرگز نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں کھول کر بیان فرما رہا ہے۔ اگر قرآنِ پاک کی جامعیت اور حقانیت کو سمجھنا ہو، تو ان آیات کی روشنی میں دنیا بھر کے مسلم اور غیر مسلم ممالک کے باہمی حالات کا جائزہ لیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بیان فرمایا، وہ قطعی طور پر سچ نہیں ہے؟ یقیناً یہ عین حقیقت ہے۔[13] عصر حاضر میں مسیحی اقوام دنیا میں چھائی ہوئی ہیں، اور ان کا غلبہ عام ہے۔ اس بارے میں اسلامی شریعت کے مطابق مسلمانوں کو رہنمائی دی گئی ہے، تو مسلمانوں کو غیر مسلموں اور خاص طور پر مسیحی افراد اور اقوام سے تعلقات کے بارے میں شرعی احکام پر عمل پیرا ہونا چاہیے، کیونکہ اس میں بہت حکمت ہے۔ اہل کتاب اور اہل اسلام کے احوال سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا يُحِبُّوْنَكُمْ﴾[14]

تم انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں پسند نہیں کرتے۔

اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق مسلمان تمام سچے انبیاء اور سابقہ کتب پر ایمان رکھتے ہیں، اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اہل کتاب دین اسلام کی حقانیت کو تسلیم نہیں کرتے، اس لیے کتاب اللہ اور آخری نبی ﷺ کے بارے میں توہین آمیز رویے مغرب میں معمول ہیں۔ اس کے باوجود مسلمانوں کو ایسی جسارتیں کرنے کی اجازت نہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد رقمطراز ہیں کہ یہ تمہاری شرافت اور سادہ لوحی ہے کہ تم اب بھی ان سے محبت کرتے ہو اور پرانے تعلقات اور دوستیوں کو نبھانا چاہتے ہو۔ تم تو سچے دل سے تورات، انجیل اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی اسی قدیم کتاب "ام الکتاب" کا حصہ ہیں جس سے پہلے تورات نازل ہوئی، پھر انجیل آئی اور پھر یہ قرآنِ مجید نازل ہوا جو مکمل ہدایت پر مشتمل ہے۔ تو اے مسلمانو! تم تو ان کی کتابوں سمیت پوری کی پوری کتاب کو مانتے ہو، جبکہ ان کا رویہ تمہارے ساتھ اس کے بالکل برعکس ہے۔۔[15]

انسان نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ اسی طرح لوگوں نے کلام اللہ، قران مجید کی قدر و منزلت سے روگردانی کی ہے۔ مفتی محمد قاسم اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اے اہل ایمان! یہ صرف تم ہو جو پرانی رشتہ داریوں اور ذاتی تعلقات کی بنا پر ان سے محبت کا دم بھرتے ہو، جبکہ وہ دینی مخالفت کی وجہ سے تم سے شدید بغض رکھتے ہیں اور تمہیں ذرا بھی پسند نہیں کرتے۔ تم تو ان کی کتابوں سمیت تمام آسمانی صحیفوں اور قرآن پر ایمان رکھتے ہو، مگر وہ تمہاری کتاب کو سرے سے مانتے ہی نہیں۔ پس

---

[12] **بیان القرآن**، 2:71۔

Bayān al-Qur'ān, 2:71.

[13] **صراط الجنان**، 2:61۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 2:61.

[14] القرآن 3:119۔

Al-Quran, 3:119.

[15] **بیان القرآن**، 2:71۔

Bayān al-Qur'ān, 2:71.

جب وہ اپنے کفر اور باطل نظریات پر اتنے پختہ اور سخت ہیں، تو تم اپنے سچے ایمان پر اتنے ہی مضبوط اور پکے کیوں نہیں ہو جاتے؟[16] بیان القرآن میں مسلم اور غیر مسلم کے تعلقات کے بیان کو زیادہ بہتر انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں غیر مسلموں نے مسلمانوں سے بہت زیادہ کشیدگی رکھی، اور آپ ﷺ نے ان حالات کا سامنا فرمایا۔ سیرۃ النبی ﷺ اور اس دور کے حالات کی روشنی میں مسلم غیر مسلم تعلقات بارے تفسیر زیادہ بہتر محسوس ہوتی ہے۔

نجرانی مسیحیوں سے مناظرہ

مطالعہ مسیحیت میں سیرۃ النبی ﷺ کا ایک واقعہ بہت اہم ہے۔ قرآن کریم میں اس بارے میں آیتِ مباہلہ میں نشاندہی کی گئی ہے۔ مسیحی اور یہودی یعنی اہل کتاب اور دیگر غیر مسلموں مین ایک بڑا فرق ہے۔ اہل کتاب کے پاس آخری نبی ﷺ کی بعثت اور ہجرت کے بارے میں واضح نشانیاں موجود تھیں۔ کفارِ مکہ نے اہل کتاب سے کئی پوشیدہ سولات بھی پوچھے تھے۔ چونکہ اہل کتاب زیادہ بہتر جانتے تھے، اس لیے ان کی ذمہ داری بھی زیادہ تھی کہ حضرت محمد ﷺ کو فی الفور پہچان کر ایمان لاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾[17]

تو اے نبی ﷺ جو بھی اس معاملے میں آپ سے حجت بازی کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آچکا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

> آپ کے پاس تو العلم آچکا ہے آپ جو بات کہہ رہے ہیں علی وجہ البصیرہ کہہ رہے ہیں۔ اس ساری وضاحت کے بعد بھی اگر نصاری آپ سے حجت بازی کر رہے اور بحث و مناظرہ سے کنارہ کش ہونے کو تیار نہیں ہیں تو ان کو آخری چیلنج دے دیجیے کہ یہ آپ کے ساتھ مباہلہ کر لیں۔ نجران سے نصاری کا جو 70 افراد پر مشتمل وفد ابو حارثہ اور ابن علقمہ جیسے بڑے بڑے مباہلہ کر سے کا وفد بڑے پادریوں کی سرکردگی میں مدینہ آیا تھا اس سے دعوت و تبلیغ اور تذکیر و تفہیم کا معاملہ کئی دن تک چلتا رہا اور پھر آخر میں رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ اگر یہ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہیں ہوتے تو انہیں مباہلے کی دعوت دے دیجیے۔[18]

حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کی آمد کے بارے میں اہل کتاب کو خبر دی گئی تھی۔ جیسے ہی آپ کی بعثت کی خبر عام ہوئی تو مسیحی بھی آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے تفصیلی کلام کیا۔ انہوں نے جب ہٹ دھرمی دکھائی تو اللہ جل جلالہ نے آیتِ مباہلہ نازل فرمائی۔ مباہلہ کرنے والے گروہ کے بارے میں مفتی محمد قاسم نے بتایا ہے کہ نجران کا یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا، جس میں چودہ سردار اور تین قوم کے بڑے پیشوا شامل تھے۔ ان تین اہم ترین افراد میں سے ایک ''ابو حارثہ بن علقمہ'' تھا، جو عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم اور پادریوں کا پیشوائے اعظم تھا؛ یہاں تک کہ عیسائی حکمران بھی اس کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ یہ تمام لوگ انتہائی قیمتی اور عمدہ لباس پہن کر، بڑی شان و شوکت کے ساتھ سرکارِ دوعالم ﷺ سے مناظرہ کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔[19]

---

16 صراط الجنان، 2:75۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 2:75.

17 القرآن 3:61۔

Al-Quran 3:61.

18 **بیان القرآن**، 2: 39۔

Bayān al-Qur'ān, 2:39.

19 **صراط الجنان**، 1:438۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 1:438.

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالی کی رحمت ہیں۔ آپ ﷺ نے عام طور پر افراد یا اقوام کی ہلاکت کی بد دعا نہیں فرمائی۔ جب مسیحی وفد نے تمام تر دلائل کے ساتھ بات چیت کر لی اور اس کے باوجود بھی وہ اپنی ضد پر اڑے رہے، تو اللہ تعالی نے فیصلہ فرمایا کہ آخر حل کی طرف بڑھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾[20]

پھر ہم سب مل کر دعا کریں اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ:

> ہم سب جمع ہو کر اللہ سے گڑ گڑا کر دعا کریں اور کہیں کہ اے اللہ! جو ہم میں سے جھوٹا ہو اس پر لعنت کر دے۔ یہ مباہلہ ہے۔ اور یہ مباہلہ اس وقت ہو تا ہے جبکہ احقاق حق ہو چکے بات پوری واضح کر دی جائے۔ آپ کو یقین ہو کہ میرا مخاطب بات پوری طرح سمجھ گیا ہے صرف ضد پر اڑا ہے۔ اس وقت پھر یہ مباہلہ آخری شے ہوتی ہے تا کہ حق کا حق ہونا ظاہر ہو جائے۔ اگر تو مخالف کو اپنے موقف کی صداقت کا یقین ہے تو وہ مباہلہ کا چیلنج قبول کرلے گا اور اگر اس کے دل میں چور ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق بات تو یہی ہے جو واضح ہو چکی ہے تو پھر وہ مباہلہ سے راہ فرار اختیار کرے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔[21]

حضرت محمد ﷺ نے مسیحیوں کو اسلام کی تبلیغ کی اور بتایا کہ اپنے وقت کے نبی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ انہوں نے پہلے ساتھ طے شدہ، اور دل میں ٹھانی ہوئی بات کے مطابق ہی ذد جاری رکھی، تو ان کا انجام بھی تباہ شدہ اقوام کی طرح ہونا تھا۔ مفتی محمد قاسم نے مزید لکھا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے نجران کے وفد کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: "تم اسلام قبول کر لو۔" انہوں نے دعویٰ کیا: "ہم تو آپ سے پہلے ہی عیسائیت کی صورت میں مسلمان ہیں۔" آپ ﷺ نے ان کے اس دعوے کو رد کرتے ہوئے فرمایا: "تمہارا یہ دعویٰ باطل ہے، کیونکہ اللہ کی اولاد کا عقیدہ رکھنا، صلیب کی پوجا کرنا اور خنزیر کھانا تمہارے اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔" اس پر عیسائیوں نے سوال اٹھایا: "اگر عیسیٰ خدا کے بیٹے نہیں، تو پھر بتائیے ان کا باپ کون ہے؟" اور اس کے بعد وہ سب مل کر بحث و تکرار کرنے لگے۔[22] اس واقعہ کے ضمن میں بیان القرآن کی تفسیر میں زیادہ مدلل اور جامع انداز سے بات کی گئی ہے۔

اہل کتاب کی بد اعمالی

بنی اسرائیل کو اللہ تعالی نے بلند مقام عطا فرمایا۔ اللہ تعالی نے انہیں دوسری قوموں کی طرح بد اعمالی سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ سابقہ تباہ شدہ اقوام کی طرح بنی اسرائیل نے بھی بد اعمالی اختیار کی۔ اسرائیلیوں نے آج بھی دنیا بھر میں فساد مچار کھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا﴾[23]

مگر جب تک کہ ہم اس کے سر پر کھڑے رہو۔

---

[20] القرآن 3:61۔

Al-Quran 3:61.

[21] بیان القرآن، 2: 39۔

Bayān al-Qur'ān, 2:39.

[22] صراط الجنان، 1: 439۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 1:439.

[23] القرآن 3:75۔

Al-Quran 3:75.

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا اور انہیں دیگر اقوام کی طرح بد اعمالی سے بچنے کی تلقین فرمائی، لیکن سابقہ تباہ شدہ اقوام کی طرح بنی اسرائیل نے بھی بد اعمالی کا راستہ اختیار کیا۔ اسی اخلاقی زوال اور بد اعمالیوں کا محاسبہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی فرمایا اور ان کے مذہبی رہنماؤں یعنی فریسیوں اور فقیہوں کی ریاکاری، ظاہری داری اور باطنی فساد پر سخت تنبیہ کی، جیسا کہ انجیلِ متی میں ان کی بد اعمالیوں کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔[24] ڈاکٹر اسرار احمد آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ اگر تم ان کے سر پر سوار ہو کر مجبور کرو، تبھی وہ امانت واپس کریں گے ورنہ ہضم کر جائیں گے۔ اہل کتاب کی اکثریت کا یہی حال تھا، تاہم ان کے چند دیانت دار لوگوں کی اچھائی کا بھی اعتراف کیا گیا ہے۔ حقیقت میں یہ دیانت داری عیسائیوں میں تو پھر بھی تھی، مگر یہودیوں میں نہ ہونے کے برابر تھی؛ لیکن قرآن نے "اہلِ کتاب" کہہ کر دونوں کا مشترکہ ذکر کیا۔ آگے خاص طور پر یہود کی اس بد دیانتی اور خیانت کی اصل وجہ بیان کی گئی ہے۔[25] دنیا میں زیادہ تر فساد یہودیوں نے بپا کیا ہے، لیکن وہ مسیحیوں کی پشت پناہی میں رہے ہیں۔ مسیحیوں نے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو پریشان کیا۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں اہل کتاب فسادی تھے، اور آج بھی ایسے ہی ہے۔ مسیحیوں نے مسلم دشمنی میں یہودیوں کے غلط کردار کو فراموش کیا ہوا ہے۔ مفتی محمد قاسم نے بتایا ہے کہ اہلِ کتاب میں بعض لوگ اتنے بد دیانت ہیں کہ تھوڑے سے مال کو دیکھ کر بھی ان کی نیت بدل جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال فِنْحاص بن عازُوراء نامی یہودی ہے، جس کے پاس کسی نے محض ایک اشرفی بطور امانت رکھی تھی، مگر وقت آنے پر وہ اس کی واپسی سے بھی صاف مکر گیا۔[26]

دنیا میں زیادہ تر یہودی معاشی طور پر حریص سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن مسیحیوں نے ان کے ساتھ اتحاد کیا ہوا ہے۔ یہ اتحاد فتنہ و فساد مچانے کے لیے ہے۔ مفتی محمد قاسم کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب کے دونوں گروہوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان میں کوئی ایسا دیانت دار ہے کہ دولت کا ڈھیر بھی پورا لوٹا دے، اور کوئی ایسا بد دیانت کہ ایک دینار بھی تب تک واپس نہ کرے جب تک تم سر پر سوار ہو کر بار بار تقاضا نہ کرو۔ گویا ایسا شخص خوفِ خدا کے بجائے محض لوگوں کے دباؤ میں آکر امانت ادا کرتا ہے، اور ایسی امانت داری قابلِ تعریف نہیں جو اعلیٰ اخلاق کے بجائے مجبوری کے تحت ہو۔[27] دونوں مفسرین نے اہل کتاب کی بد اعمالی پر بات کی ہے۔ معاشرتی، معاشی، عالمی اور قومی سطح پر یہ بد اعمالی انسانوں اور انسانیت پر مضر اثرات مرتب کر رہی ہے۔ مفتی محمد قاسم نے اس بارے میں زیادہ تفصیل سے اور زیادہ جہات سے بات کی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے قوم کی حالت

سورۃ مریم حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ کے نام پر ہے۔ آغاز میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے، جو کہ اللہ کے نبی تھے۔ آپ اللہ پر پختہ ایمان رکھتے تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کی ذمہ داری آپ کے حصے میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر انعامات فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَهٗ زَکَرِیَّا﴾[28]

---

[24] متی 23:1-36۔

Mathew 23:1–36

[25] **بیان القرآن**، 2: 46۔

Bayān al-Qur'ān, 2:46.

[26] **صراط الجنان**، 2:45۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 2:45.

[27] **صراط الجنان**، 2:45۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 2:45.

[28] القرآن 19:2۔

Al-Quran 19:2.

یہ ذکر ہے آپؐ کے رب کی رحمت کا جو اُس نے اپنے بندے زکریاؑ پر کی۔

ڈاکٹر اسرار احمد تفسیر بیان کرتے ہیں کہ یہاں اصل مقصود تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے، مگر ان سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا جارہا ہے کیونکہ ان کی ولادت بھی ایک عظیم معجزہ تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام انتہائی ضعیف ہو چکے تھے اور ان کی اہلیہ نہ صرف بوڑھی تھیں بلکہ عمر بھر بانجھ بھی رہی تھیں۔ ایسے حالات میں ان کے ہاں بیٹے کی پیدائش کوئی عام بات نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ اس واقعے کو یہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص کا بڑا مظہر قرار دیا گیا ہے۔[29]

حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالی کی بارگاہ میں اولاد کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے۔ آپؑ کی عمر بہت بڑھ چکی تھی۔ اس وقت اولاد ہونا ممکن نہ تھا، لیکن حضرت زکریاؑ مایوس نہیں تھے، اور اللہ تعالی سے رحمت اور انعامات کے لیے دعا گو رہتے تھے۔ مفتی محمد قاسم کہتے ہیں کہ پچھتر، اسی برس کی عمر تک پہنچنے کے باوجود حضرت زکریا علیہ السلام کی گود سونی تھی۔ انہیں اپنے خاندان میں دور دور تک کوئی ایسا متقی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا جو ان کے بعد دینِ حق کی تبلیغ اور الٰہی مشن کی باگ ڈور سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہو۔[30] حضرت زکریا علیہ السلام کو اولاد کی خواہش اجتماعی مفاد کے لیے بھی تھی۔ آپ نے ارد گرد دیکھا تو اپ کو اندیشہ ہوا کہ آپ کے بعد قوم صحیح راستے پر گامزن رہ نہ سکے گی، اور کوئی ایسا رہنما بھی دکھائی نہ دیتا تھا، جو لوگوں کو حق کی طرف بلاتا رہے، اور انہیں برائیوں سے باز رکھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا﴾[31]

جب اس نے اپنے رب کو آہستہ سے پکارا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کی کیفیت کو ڈاکٹر اسرار احمد یوں بتاتے ہیں کہ آپ نے پکارا کہ اے پروردگار! آج میں تجھ سے ایک ایسی چیز مانگنے کی جسارت کر رہا ہوں جو عام حالات میں ناممکن دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ مادی دنیا کے قوانین اس کی اجازت نہیں دیتے، لیکن میں جانتا ہوں کہ تیری قدرت کے مروجہ ضابطے کسی مادی قانون کے محتاج نہیں، تو چاہے تو ہر ان ہونی کو ہونی میں بدل سکتا ہے۔[32] یہودی قوم اس وقت بگاڑ کی انتہا پر تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام چاہتے تھے کہ قوم اپنی حد سے آگے نہ بڑھے۔ آپ نے اپنے ارد گرد لوگوں کو طاغوت کی پیروی میں دیکھا، تو آپ پوری قوم کے برے انجام سے خوفزدہ ہو گئے۔ مفتی محمد قاسم رقمطراز ہیں کہ آپ کے کنبے کے متعدد لوگ فتنہ پرور تھے، جس کی وجہ سے آپ ہر وقت اس تشویش میں مبتلا رہتے تھے کہ وہ آپ کے بعد دین کی اصل شکل بگاڑ نہ دیں، اور جب یہ اندیشہ حد سے بڑھ گیا تو آپ نے بے بس ہو کر بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ پھیلا دیے اور گڑگڑا کر التجا کی کہ "مالک! مجھے ایک ایسا نیک بخت بیٹا دے جو تیرا اچہیتا ہو، جو میرے بعد اس الٰہی مشن کا وارث بنے اور تیرے دین کا علم بلند رکھے۔"[33] اس سے قبل ایسے ہی یہودی قوم اپنے برے انجام کو دیکھ چکی تھی۔ جو طریقہ پہلوں نے اپنایا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام نے غور کیا کہ اسی طرح اب بھی قوم اپنی سزا کی طرف بڑھ رہی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

---

[29] بیان القرآن، 5: 9۔

Bayān al-Qur'ān, 5: 9.

[30] صراط الجنان، 6: 62۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:62.

[31] القرآن 3:19۔

Al-Quran 19:3.

[32] بیان القرآن، 5: 9۔

Bayān al-Qur'ān, 5: 9.

[33] صراط الجنان، 6: 62۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:62.

﴿وَ اِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ وَّرَآءِیۡ﴾[34]

اور مجھے اندیشہ ہے اپنے بھائی بندوں سے اپنے بعد۔

ڈاکٹر اسرار احمد تفسیر بیان کرتے ہیں کہ مجھے اپنے کنبے میں دور دور تک کوئی ایسا اہل انسان دکھائی نہیں دیتا جو میرے جانے کے بعد ہیکلِ سلیمانی کی تولیت اور میری جانشینی کا بوجھ اٹھا سکے۔ مجھے ایک ایسے رفیق کی تلاش ہے جو میری اس علمی اور روحانی میراث کا امین بن سکے، اور یہ میراث صرف میری ہی نہیں بلکہ آلِ یعقوبؑ کی وراثت ہے۔ اس پاکیزہ مشن کی بقا کے لیے مجھے ایک ایسا وارث بخش دے جو سچے دل سے اس عظیم منصب کا حق ادا کر سکے۔[35] حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کردہ مسجد کو یہودی اعمال سے نقصان پہنچا۔ جب دشمن قوم پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے پورے شہر اور معبد کو نقصان پہنچایا تھا۔ یہی حالات حضرت زکریا علیہ السلام کے دور کے یہودیوں کی میں تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا خاندان نیک نام تھا۔ اب حالات ایسے بدلے کہ ان میں بھی شریر لوگ کثرت سے سامنے آئے۔

مفتی محمد قاسم لکھتے ہیں کہ یہاں رشتہ داروں سے مراد چچازاد بھائی ہیں، جن کے بارے میں اندیشہ اس لیے تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے فتنہ پرور لوگ تھے اور آپ کو ڈر تھا کہ وہ آپ کے بعد دین کی اصل تعلیمات کو مسخ کر دیں گے اور شریعت کی صحیح پاسداری نہیں کریں گے۔ اسی تشویش کے تحت آپ نے بارگاہِ الٰہی میں اپنی ہی نسل سے ایک صالح فرزند کی التجا کی، تاکہ وہ دینِ حق کی شمع کو روشن رکھنے میں آپ کا سچا جانشین ثابت ہو۔[36] متی کی انجیل میں حضرت یحیٰؑ علیہ السلام کا مقام بتایا گیا ہے: "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی پیدا نہیں ہوا۔"[37] حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل آپؑ کی قوم کی حالت بہت بگڑ چکی تھی۔ اس حالت کی نشاندہی حضرت زکریا کی دعا اور اس کے پس منظر میں دکھائی دیتا ہے۔ صراط الجنان میں ان کیفیات کو زیادہ بہتر انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے کی گئی دعاء، اور آپؑ کی پیدائش سے پہلے کے حالات کے بیان میں صراط الجنان کی منظر کشی زیادہ بہتر ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کا مقام

اللہ تعالی نے حضرت مریم علیہا السلام کو بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ اپنی والدہ کی منت کے مطابق آپ بیت المقدس میں مقیم ہو گئیں۔ آپ پردے کا اہتمام کرتی تھیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ مَرۡیَمَ﴾[38]

اور ذکر کیجیے اس کتاب میں مریم کا۔

ڈاکٹر اسرار احمد تفسیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے خاندان اور دنیا والوں سے ناطہ توڑ کر ہیکلِ سلیمانی کے مشرقی حصے میں گوشہ نشینی

---

[34] القرآن 5:19

Al-Quran 19:5.

[35] **بیان القرآن**، 5: 9، 10۔

Bayān al-Qur'ān, 5: 9, 10.

[36] **صراط الجنان**، 6: 65۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:65.

[37] متی 11:11

Methew 11:11

[38] القرآن 16:19۔

Al-Quran 19:16.

اختیار کرلی۔ یہ دراصل باری تعالیٰ کے حضور ایک طرح کا اعتکاف تھا، جہاں انہوں نے ایک پردہ آویزاں کر کے مکمل تنہائی کا ماحول بنالیا تا کہ وہ پورے دل اور یکسوئی کے ساتھ صرف اپنے پروردگار کی عبادت میں مگن رہ سکیں۔[39] حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالی کے خوف سے دنیا اور دنیا والوں سے الگ تھلگ رہتی تھیں۔ آپ میں تکبر نہ تھا، بلکہ آپ کی طبیعت زہد و تقوی اور عبادت و ریاضت کی طرف زیادہ مائل رہتی تھی۔ مفتی محمد قاسم رقمطراز ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام اپنے اہل خانہ کو چھوڑ کر مشرق کی سمت ایک الگ گوشے میں چلی گئیں اور انہوں نے اپنے مکان یا بیت المقدس کے مشرقی حصے میں لوگوں سے ناطہ توڑ کر عبادت کے لیے تنہائی اختیار کرلی۔[40]

نام کا شخصیت پر اثر دکھائی دیتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے نام کا معنی اور آپ علیہا السلام کا کردار، اور آپ کی سرگرمیاں آپ کے نام کے مطابق ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کے نام اور ان کی فضیلت سے متعلق مفتی محمد قاسم مزید لکھتے ہیں کہ مریم کا مطلب عابدہ اور خادمہ ہے۔ آپ علیہا السلام بچپن ہی سے بیت المقدس کی خدمت پر مامور تھیں اور وہیں رہ کر شب و روز باری تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔ آپ علیہا السلام کی عظمت اور فضیلت کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سے صرف آپ ہی وہ واحد خاتون ہیں جن کا نامِ مبارک قرآنِ کریم میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔[41] حضرت مریم علیہا السلام معمول کے مطابق ذکر اذکار اور یادِ الٰہی میں مشغول تھیں کہ اچانک آپ نے ایک انسان کو اپنے سامنے موجود پایا۔ یہ انسان نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا مقرب فرشتہ تھا۔ فرشتوں کی خوبی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق افعال کرتے ہیں۔ حضرت جبریل امین اللہ کی طرف سے آئے تھے، جو ایک خاص پیغام پہنچانے کے لیے انسانی روپ میں آئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾[42]

اس کی طرف ہم نے روح القدس بھیجا تو وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کی صورت بن گیا۔

لوقا کی انجیل میں بتایا گیا ہے: اور فرشتہ نے اندر آکر اس سے کہا: سلام اے جس پر فضل ہوا ہے! خداوند تیرے ساتھ ہے۔[43] مفتی محمد قاسم لکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بشری روپ میں تشریف لانے کا سبب یہ تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام ان کی گفتگو سے مانوس ہو سکیں اور ان کے دل میں کوئی ڈر پیدا نہ ہو۔ اگر حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصل فرشتوں والی ہیبت ناک صورت میں ظاہر ہوتے، تو حضرت مریم علیہا السلام شدید خوفزدہ ہو جاتیں اور ان میں فرستادۂ الٰہی کا پیغام سننے اور اس پر غور کرنے کی سکت باقی نہ رہتی۔[44] ایک حدیثِ جبریل محدثین کی کتب میں بہت مشہور ہے۔ فرشتے اور خاص طور پر جبریل امین صورت بدل کر آتے رہے ہیں۔ انسانی صورت میں تشریف لانے میں کئی حکمتیں ہیں۔ مفتی محمد قاسم رقمطراز ہیں کہ نوری مخلوق انسانی روپ دھارنے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک نوری فرشتہ

---

[39] **بیان القرآن**، 13:5۔

Bayān al-Qur'ān, 5: 13.

[40] **صراط الجنان**، 80:6۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:80.

[41] **صراط الجنان**، 6: 80۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:80.

[42] القرآن 17:19

Al-Quran 19:2.

[43] لوقا 28:1

Luke 1:28.

[44] **صراط الجنان**، 81:6۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:81.

ہیں، لیکن جب وہ حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے بشری صورت میں ظاہر ہوئے تو اس انسانی لباس کے باوجود ان کی اصل نورانی حقیقت تبدیل نہیں ہوئی۔ اسی طرح صحابہ کرام نے بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ایک انسان کے روپ میں دیکھا جن کی سیاہ زلفیں، سفید لباس، آنکھ، ناک اور کان وغیرہ سب واضح تھے، مگر وہ تب بھی اپنی اصل میں نور ہی تھے۔ تاریخِ انبیاء میں بھی یہ مثالیں ملتی ہیں کہ حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت داؤد علیہم السلام کی بارگاہوں میں بھی فرشتے اسی طرح انسانی شکل اختیار کر کے حاضر ہوئے تھے۔[45] حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ بندی تھیں۔ آپ دنیاداری اور خواہشات اور ہوس سے دور رہتی تھیں۔ جب آپ نے اچانک انسانی صورت دیکھی، تو فطری حیا کی وجہ سے آپ پر پریشانی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَالَتۡ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡکَ اِنۡ کُنۡتَ تَقِیًّا﴾[46]

مریم نے کہا: میں رحمن کی پناہ مانگتی ہوں تم سے اگر تم کوئی متقی شخص ہو۔

ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں کہ خلوت گاہ میں اچانک ایک اجنبی مرد کو اپنے سامنے دیکھ کر حضرت مریم علیہا السلام شدید پریشان ہو گئیں کہ کہیں وہ کسی غلط نیت سے تو نہیں آیا۔ انہوں نے فوراً اسے ٹوکتے ہوئے کہا کہ اگر تیرے دل میں خدا کا ذرا بھی خوف ہے تو اپنی حد میں رہنا، میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس پر آنے والے نے انہیں تسلی دی کہ وہ کوئی انسان نہیں بلکہ ان کے پروردگار کا بھیجا ہوا ایک قاصد ہے، جو انہیں ایک نہایت پاک باز اور صالح بیٹے کی خوشخبری دینے حاضر ہوا ہے۔[47] حضرت مریم علیہا السلام نے اپنی پریشانی پر قابو پایا۔ آپ نے اس پریشان کن صورتحال کو سنبھالنے کی کوشش کی، آپ نے ہمت کر کے انسانی صورت کو اللہ کے ڈر کی تلقین کی۔ مفتی محمد قاسم کہتے ہیں کہ جب حضرت مریم علیہا السلام نے اپنی تنہائی میں ایک بے ریش نوجوان کو اچانک سامنے پایا تو وہ شدید خوفزدہ ہو گئیں اور انہوں نے فوراً کہا کہ اگر تمہارے دل میں ذرا بھی خدا کا خوف ہے تو یہاں سے چلے جاؤ، میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ ان کے اس طرزِ عمل سے ان کی اعلیٰ درجے کی پاکدامنی اور تقویٰ کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے کسی انسان کو مدد کے لیے پکارنے یا چیخ و پکار کرنے کے بجائے سیدھا باری تعالیٰ کی پناہ حاصل کی، تاکہ اس معاملے کی کسی دوسرے انسان کو کانوں کان خبر نہ ہو۔[48] جلد ہی یہ پریشان کن کیفیت دور ہو گئی۔ اللہ والے اللہ سے ڈرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے مقرب بندوں کو خوفزدہ نہیں رہنے دیتی۔ انسانی صورت میں آنے والا فرشتہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ترین فرشتہ تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مریم علیہا السلام کو پیغام پہنچایا۔ مفتی محمد قاسم مزید لکھتے ہیں کہ جب حضرت مریم علیہا السلام خوفزدہ ہوئیں تو اس نازک وقت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ میں کوئی انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہوں اور تمہارے پروردگار کی طرف سے بھیجا گیا ایک قاصد ہوں، تاکہ میں تمہیں ایک نہایت ستھرا، معصوم اور پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔[49] حضرت مریم علیہا السلام کے تقویٰ، خوفِ الٰہی، پردہ داری، خواہشات اور ہوس کے برعکس پاک دامنی کے بیان میں صراط الجنان کے مفسر کو فوقیت حاصل ہے۔ اس سے آپؑ کے بلند مرتبہ کا بیان زیادہ واضح انداز میں سامنے آتا ہے۔

---

45 صراط الجنان، 6: 81۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:81.

46 القرآن 18:19۔

Al-Quran 19:18.

47 بیان القرآن، 13:5۔

Bayān al-Qurʾān, 5: 13.

48 صراط الجنان، 83:6۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:83.

49 صراط الجنان، 6: 83۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:83.

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش

جب اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے جبریل امین نے حضرت مریم علیہا السلام کو، معجزانہ طور پر ایک بیٹے کی خوشخبری دی، تو حضرت مریم علیہا السلام مزید سنبھل گئی، آپ پر ایک اور حیرانی اور پریشانی کی کیفیت سامنے آئی۔ فرشتے کی اس بیان سے آپ کو مزید اندیشے لاحق ہوئے۔ آپ نے خود کو سنبھالا اور فرشتے سے بیٹے کی پیدائش کی امکانات پر بات کی۔ آپؑ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین تھا۔ آپؑ نے گھر گرہستی سے الگ رہنے کا ذہن بنالیا تھا۔ یہ نئی کیفیت آپ کے لیے اور آزمائش لائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا﴾[50]

مجھے تو کسی آدمی نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔

حضرت مریم علیہا السلام اس ازمائش پر پوری اتریں۔ اللہ کی طرف سے فرشتے نے جو بتایا تھا، حضرت مریم علیہا السلام اللہ کی رضا کے لیے اس پر بھی راضی ہو گئیں، جیسا کہ لوقا کی انجیل میں ہے: مریم نے فرشتہ سے کہا: "یہ کس طرح ہو گا جبکہ میں مرد کو نہیں جانتی؟ فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا: روح القدس تجھ پر نازل ہو گا۔"[51] مفتی محمد قاسم لکھتے ہیں کہ فرشتے نے واضح کیا کہ یہ ایک حتمی اور طے شدہ امر ہے۔ اس بچے کو ہم بنی نوع انسان کے لیے ایک عظیم نشانی اور اپنی خاص رحمت کا ذریعہ بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں ولادت بھی ایک معجزہ تھی، آپ کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا بھی معجزہ تھا، اور ان کے علاوہ بھی آپ کو بے شمار معجزات سے نوازا گیا تھا۔ غرض آپ کی پوری شخصیت ہر اعتبار سے غیر معمولی، یکتا اور ممتاز تھی۔[52] تخلیقی مراحل راز ہیں۔ جلد ہی حضرت مریم علیہا السلام کو اطمینان حاصل ہوا۔ آپ نے اللہ کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا۔ فرشتے نے خوشخبری دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخلیق کے آغاز کی جھلک دکھائی۔ یہ راز حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے کھول دیا گیا۔ اس سے بھی آپؑ کو اطمینان ملا۔

مفتی محمد قاسم رقمطراز ہیں کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کو مکمل اطمینان ہو گیا اور ان کی پریشانی دور ہو گئی، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے لباس یا گریبان میں پھونک ماری۔ اس کے نتیجے میں آپ علیہا السلام باری تعالیٰ کی بے پناہ قدرت اور حکم سے اسی وقت حاملہ ہو گئیں۔[53] حمل کے بعد حضرت مریم علیہا السلام پر اس کی کیفیات واضح ہونا شروع ہوئیں۔ آپؑ نے اپنی جسم کی تبدیلی کو محسوس کیا، اور فتنے سے بچنے کے لیے شہر سے دور تشریف لے گئیں۔ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِیًّا﴾[54]

تو اُسے اس بچے کا حمل ٹھہر گیا' چنانچہ وہ اسے لے کر ایک دور جگہ پر چلی گئی۔

---

[50] القرآن 20:19

Al-Qur'ān 19:20.

[51] لوقا 1:34–35

Lūqā 1:34–35.

[52] صراط الجنان، 6: 85۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:85.

[53] صراط الجنان، 6: 86۔

Ṣirāṭ al-Jinān, 6:86.

[54] القرآن 22:19۔

Al-Quran 19:22.

ڈاکٹر اسرار احمد تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس تشویش کے پیشِ نظر کہ جب حمل ظاہر ہو گا تو لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے، حضرت مریم علیہا السلام تنہائی کی تلاش میں بیت اللحم چلی گئیں، جو ہیکلِ سلیمانی سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ ولادت کا وقت قریب آنے پر جب دردِ زہ کی شدت میں اضافہ ہوا، تو انہوں نے سہارے کے لیے ایک کھجور کے خشک تنے کو مضبوطی سے تھام لیا۔ یہ دراصل وضع حمل کی تکلیف کو برداشت کرنے کا ایک قدرتی طریقہ ہے، کیونکہ درد کے ان سخت لمحات میں اگر عورت کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑ لے، تو اسے اس شدید اذیت کا سامنا کرنے میں کچھ ہمت اور ڈھارس مل جاتی ہے۔[55] حضرت مریم علیہا السلام دنیا سے کنارہ کش ہو گئیں۔ آپ کی تربیت پہلے سے ہی ہو چکی تھی۔ آپ خلوت میں رہتی تھیں۔ اب جو یہ آزمائش سامنے آئی تو آپ نے مزید الگ رہنے کا انتظام کیا۔ یہ وہ حالت تھی کہ اس دوران ماں بننے والی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ آپ اللہ تعالی کے بھروسے پر تھیں۔ آپ نے اکیلے یہ پریشانیاں اور درد برداشت کیے۔ حتیٰ کہ آپ نے بچہ پیدا ہونے کی کیفیت اکیلے دیکھی۔ اللہ تعالی کی مدد آپ کے شامل حال تھی۔ آپ نے یہ تمام پریشانیاں بغیر کسی دائیہ یامانوس انسانی مدد کے، خود دیکھیں، اور اپنی مدد آپ کی۔ انجیل کے مطابق آپؑ کا منگیتر یوسف بھی آپؑ کو حمل ہونے کی وجہ سے کنارہ کش ہونا چاہتا تھا: "جو راستباز تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اسے عام طور پر رسوا کرے، یہ ارادہ کیا کہ اسے پوشیدہ طور پر چھوڑ دے۔"[56] حضرت مریم علیہا السلام کی کیفیت قرآن مجید میں انہی کے الفاظ سے بیان فرمائی گئی ہے:

﴿قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا﴾[57]

اُس نے کہا: کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور ایک بھولی بسری چیز ہو چکی ہوتی۔

ڈاکٹر اسرار احمد رقمطراز ہیں کہ اللہ کی وہ برگزیدہ بندی ممکنہ رسوائی اور اندیشوں کے تصور سے کانپ رہی تھیں کہ اب وہ اس بچے کو لے کر کہاں جائیں گی؟ لوگوں کے سامنے خود کو کیسے بے گناہ ثابت کریں گی اور یہ ظالم دنیا ان پر کیا کیا تہمتیں لگائے گی؟ اسی شدید ذہنی کرب اور بے بسی کے عالم میں ان کے ہنس مکھ ہونٹوں سے یہ حسرت نکل گئی کہ کاش اس کڑے وقت کے آنے سے پہلے ہی انہیں موت آگئی ہوتی اور ان کا نام ونشان تک لوگوں کے ذہنوں سے ہمیشہ کے لیے مٹ چکا ہوتا۔[58] جب اللہ کی اس بندی نے اس کیفیت میں ساری خدائی میں خود کو اکیلا پایا، اور آنے والے وقت کے بارے میں پریشانی کا سوچا۔ تو آپ کو اپنی زندگی بوجھل اور تنگ محسوس ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ اس ذات نے حضرت مریم علیہا السلام کی تسلی کے اسباب مہیا کیے، جس سے آپ اس مشکل وقت سے گزر گئیں۔ اب وہ وقت آیا کہ جس کی یاد میں کیلنڈر کو منسوب کیا گیا۔ "مسیحیوں کا مشہور تہوار کرسمس، 25 دسمبر کو منایا جاتا ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی تاریخ ہے۔"[59]

مسیحی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ جی اٹھنے کی خوشی میں ایسٹر کا تہوار منایا جاتا ہے۔ عید قیامت کے موقع پر نہ صرف مسیح خداوند

---

[55] **بیان القرآن**، 5:14۔

Bayān al-Qur'ān, 5: 14.

[56] متی 19:1۔

Mattī 1:19.

[57] القرآن 23:19۔

Al-Quran 19:23.

[58] **بیان القرآن**، 14:5۔

Bayān al-Qur'ān, 5: 14.

[59] آزاد سلہری، **مذاہب عالم** (لاہور: آزاد انٹرپرائزز، س ن)، 147۔

Āzād Silahrī, *Mazāhib-i ʿĀlam* (Lahore: Azad Enterprises, n.d.), 147.

کے مردوں میں سے جی اٹھنے کی یاد تازہ کی جاتی ہے، بلکہ یہ یقین بھی دہرایا جاتا ہے کہ جو ان پر ایمان لاتے ہوئے وفات پاتے ہیں، انہیں ابدی زندگی ملے گی اور وہ بھی مسیح علیہ السلام کی مانند دوبارہ جی اٹھیں گے۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہیں، تو ان کے پیروکار بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے۔[60] حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ ایمان افروز ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے آزمائش میں صبر و تحمل سے کام لیا۔ دونوں مفسرین نے اس بارے میں بہترین تفسیر کی ہے۔ بیان القرآن میں جغرافیائی کیفیات، محل وقوع اور ماحول کا بیان عمدگی سے کیا گیا ہے۔ اس سے حضرت مریم علیہ السلام کی آزمائش اور آپؑ کے اس میں پورا اترنے کو زیادہ اچھے طور پر سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

خلاصۃ البحث

زیرِ نظر تحقیق میں ڈاکٹر اسرار احمد کی بیان القرآن اور مفتی محمد قاسم قادری کی صراط الجنان کا مطالعہ مسیحیت کے خصوصی تناظر میں جامع تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ دونوں تفاسیر کا بنیادی مقصد قرآنِ کریم کی روشنی میں ادیان کی حقیقت کو واضح کرنا، تثلیث اور ابنیت جیسے باطل مسیحی عقائد کا رد کرنا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت و توحید کی دعوت کو ثابت کرنا ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں مفسرین نے بین الادیان مکالمے، نجران کے مسیحی وفد سے مناظرے اور فتنہ قادیانیت کا ابطال قرآنی دلائل سے کیا ہے، نیز مسلم و غیر مسلم تعلقات کے لیے شرعی احکام اور حدود و قیود کی پاسداری کو لازمی قرار دیا ہے۔

جہاں دونوں تفاسیر میں علمی مماثلت موجود ہے، وہیں ان کے اسلوب اور منہج میں واضح فرق بھی نمایاں ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا انداز تجزیاتی، تاریخی اور عصری تناظر پر مبنی ہے، جس میں انہوں نے سورتوں کے نزول کے حالات، سائنسی و سیاسی حقائق اور سیرتِ نبوی کی روشنی میں مطالعہ مسیحیت کو بیان کیا ہے۔ اس کے برعکس مفتی محمد قاسم قادری نے روایتی الہیاتی و کلامی اسلوب، فقہی و اصلاحی مسائل، اور اہل کتاب کی بداعمالیوں کے معاشرتی اثرات کو زیادہ ترجیح دی ہے۔ مجموعی طور پر یہ تقابلی مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ اسلوب کے تنوع کے باوجود دونوں مفسرین کا اصل مقصد قرآنی سچائیوں کی ترویج اور مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کرنا ہے۔ اس تحقیق کی روشنی میں چند اہم تجاویز اور سفارشات پیشِ خدمت ہیں :

1. جامعاتی اور تحریکی سطح پر تفاسیر کے تقابلی مطالعے کو مزید فروغ دیا جائے تاکہ جدید و روایتی مناہجِ تفسیر کا ربط اور تنوع کھل کر سامنے آسکے۔
2. عصرِ حاضر کے فکری و الحادی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد کے عصری و تجزیاتی اسلوب کو دعوتی حکمتِ عملی کا حصہ بنایا جائے۔
3. مسلم و غیر مسلم تعلقات اور فقہی و اخلاقی حدود کی رہنمائی کے لیے مفتی محمد قاسم قادری کے اصلاحی و کلامی نکات کو عوام الناس کی تربیت کے لیے عام کیا جائے۔
4. مطالعہ مسیحیت اور دعویٰ مسیحا یعنی قادیانیت کے رد پر قرآن و سنت کی روشنی میں ایسا جامع نصاب تیار کیا جائے جو قدیم و جدید دونوں مناہج کا متوازن نچوڑ ہو۔

Bibliography

ʿĀlamgīr Kalīsā mēn̲ Hamārī Zimmah-dāriyān̲. Lāhaur: Kalīsā-yi Pākistān, 1976.

Aḥmad, Isrār. *Bayān al-Qur'ān*. 7 mujalladāt. Lāhaur: Shuʿbah-yi Maṭbūʿāt, Qur'ān Akaiḍmī, 2010.

Al-Qādrī, Muḥammad Qāsim. *Ṣirāṭ al-Jinān fī Tafsīr al-Qur'ān*. 10 mujalladāt. Karāchī: Maktabat al-Madīnah, 2013.

Kramarae, Cheris, and Dale Spender, eds. *Routledge International Encyclopedia of Women*. 4 vols. New York: Routledge, 2000.

MacDonald, William [Vilīyam Maikḍonalḍ]. *Tafsīr al-Kitāb*. Lāhaur: Masīḥī Ishāʿat Khānah, 2000.

Parrinder, Geoffrey. *Worship in the World's Religions*. London: Faber & Faber, 1961.

Silahrī, Āzād. *Maẕāhib-i ʿĀlam*. Lāhaur: Āzād Inṭarpr̲ā'iziz, s.n.

[60] **عالمگیر کلیسا میں ہماری ذمہ داریاں** (لاہور: کلیسائے پاکستان، 1976ء)، 31۔

ʿĀlamgīr Kalīsā Men̲ Hamārī Zimmah-dāriyān̲ (Lahore: Kalīsā-yi Pākistān, 1976), 31.